مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی کثرت سے آمد و رفت تھی۔ میری شاہ صاحب سے اس سے پہلے کوئی ملاقات نہ تھی۔ نام طرفین کا ایک دوسرے نے سُن رکھا تھا۔ میں نے ان دعوت دینے والوں کو یہ بھی کہا کہ جب تمہارا حوصلہ ٹھہرانے کا نہیں تھا تو دعوت دینے کی کیا مصیبت پڑ رہی تھی؟۔ شاہ صاحب تشریف لائے اور ان کی آمد پر بڑا جلوس نکالا۔ وہ جلوس ان کو مدرسے تک لایا۔ جب مدرسے میں پہنچے تو ناظم صاحب نے ان سے شاہ صاحب کے سامنے ہی کہا کہ شاہ صاحب کا قیام تو شیخ الحدیث صاحب کے مکان پر طے ہوا تھا۔ شاہ صاحب میرا نام تو پہلے ہی سُنے ہوئے تھے اور جنھوں نے ان کو دیکھا ہے اور ان کی باتیں سُنی ہیں، وہ خوب واقف ہیں کہ ان کو تعریف اور مذمت دونوں میں کمال درجہ حاصل تھا انہوں نے (اللہ تعالیٰ ان کو بہت بلند درجات عطا فرماوے) اس زور و شور سے میرے گھر قیام پر مسرت کا اظہار فرمایا کہ کچھ انتہا نہیں، ہوشیار تھے، سمجھدار تھے، دُنیا کو دیکھے ہوئے تھے۔ جلوس تو ختم ہو گیا۔ وہ چند آدمیوں کے ساتھ میرے مکان پر تشریف لے آئے۔ اور میرا مکان اس زمانے میں اسم بامسمیٰ کچّا گھر تھا۔ صرف ایک کوٹھڑی تھی وہ بھی کچّی۔ شاہ صاحب مع سامان آکر بوریئے پر بیٹھ گئے اوّل تو انہوں نے میری تعریف میں آسمان زمین کے قلابے ملائے اس کے بعد میرے مکان کی تعریفیں شروع کیں کہ نانا ابّا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کی یاد تازہ ہو گئی۔ حضرت کیا عرض کروں؟ کتنی مسرت اس مکان کو دیکھ کر ہوئی۔ اسلاف کا دور آنکھوں میں پھر گیا۔ چناں، چنیں، یہ، وہ۔ پھر کہنے لگے حضرت یہ لوگ مجھے شوق میں بلا تو لیتے ہیں۔ مگر ٹھہراتے ہوئے ڈرتے ہیں اور اسی واسطے میں کہیں جاتے ہوئے بہت انکار کرتا ہوں لیکن جب وعدہ کر لیتا ہوں تو ان بلانے والوں کو نانی یاد آجاتی ہے کہ اس باغی کو کہاں ٹھہراویں۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی، خوش بختی، نہ معلوم کیا کیا کہا کہ جب میں دیوبند جاتا ہوں تو وہاں بھی وہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کا مکان میری قیام گاہ تجویز ہوتا ہے اور یہاں، یہاں شیخ الحدیث کا مکان میری خوش قسمتی سے میری قیام گاہ تجویز ہوا۔ قیام تو ان کا میرے یہاں برائے نام ہی ہوا۔ اس لئے کہ تھوڑی دیر ٹھہر کر وہ کہیں کسی صاحب کے یہاں دعوت میں چلے گئے۔ وہاں سے لوگ اپنے اپنے یہاں لیئے پھرے پھر جلسہ ہو گیا۔ کچھ معمولی کھانے پینے کی تو اضع میں نے بھی کی۔ اس کے بعد کئی دفعہ رائے پور آتے جاتے قیام ہوا۔

(ماخوذ از "آپ بیتی")

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ قسط ۲

ضرورتِ نبوّت

آدمی کو جو کان دیئے گئے ہیں وہ اللہ کی آواز کو اُسی صورت میں سن سکتے ہیں جبکہ وہ انسانی نطق سے بلند ہوتی ہو۔ اس کے جذبات میں تاثر تبھی پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے اندر مطلوبہ جذبات کی لہریں اُٹھا دے۔ وہ اخلاقی نمونہ اگر حاصل کر سکتا ہے اور سیرت کا کوئی چہرہ لے سکتا تو نہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے نہ اس کے فرشتوں یا کسی فوق الانسانی مخلوق سے بلکہ اپنے ہی جیسے انسانی افراد سے لے سکتا ہے۔ وہ جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیادوں پر منظم ہوا ہے اور اسلامی انقلاب کا سپاہی جب بھی وہ بنا ہے تو اپنے ابنائے نوع کی زیر قیادت ہی بنا ہے۔ انسانی فطرت کی انہی خصوصیات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں بہترین افرادِ انسانی کو اس مقصد کے لیئے منتخب کیا کہ ایک طرف ان کے قلوب اللہ تعالیٰ سے الہام و القاء حاصل کریں اور دوسری طرف وہ عام انسانوں کے لئے الہامی دعوت کے ذریعہ ترجمان اور انسانی پیکر میں اس کے تفصیلی تقاضوں کا عملی مظہر ہوں۔

پس کائنات خدا کے وجود اور اس کی بعض صفات کی گواہی دے دینے کے بعد انسان کو جس مقام پر چھوڑ دیتی ہے اس مقام سے آگے چلنے کے لئے یعنی خدا کی مرضی، اس کی ہدایت، اس کے قانون اور اس کی پسند و ناپسند کو معلوم کر کے زندگی کو اس کے مطابق بنانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا مرہون منت ہوئے بغیر چارہ نہیں۔ خدا کی ہستی کی محدود سی معرفت کے لئے انفس و آفاق کی آیات مدد دیتی ہیں۔ لیکن ان کی اطاعت کے لئے رسالت کا دامن تھامنا لابدی اور ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی زندگی کی صلاح و فلاح صرف ایمان باللہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ ایمان بالرسالت بنیادی طور پر اس کے لئے ناگزیر ہے۔ فکر کا نہاں خانہ اگر مظاہر کائنات کے چراغوں سے کسی قدر روشن ہو بھی جائے تو بھی عمل کی وادیاں اسوقت تک اندھیاری رہتی ہیں جب تک کہ انبیاء علیہم السلام کے جلائے ہوئے دیوں سے ان کو منور نہ کیا جائے۔ محض خدا کے تصور پر زندگی ــــــــ اور نظام زندگی

کی تعمیر ممکن نہیں بلکہ خدا کے تصور کو سنگ بنیاد کی حیثیت دے کر جب اس کی تعمیر کو برپا کرنا ہو تو اس کا سارا مسالہ اور اس کا فن تعمیر اور اس کا نقشۂ تعمیر صرف اور صرف انبیاء علیہ السلام ہی کے ذریعے مل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی فکر کے حاملین نے بالاتفاق یہ حقیقت تسلیم کی ہے کہ "ایمان بالرسالت" کے بغیر "ایمان باللہ" بے کار ہے۔ دوسرے لفظوں میں صرف "ایمان باللہ" ایک جامد عقیدہ ہے جس سے عملی زندگی کا درخت نمودار ہو سکتا ہے اور نہ اس پر پھل آ سکتا ہے اس عقیدے کے بیج سے اگر عملی زندگی کا درخت نمودار ہو سکتا ہے اور اس پر برگ و بار آ سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ تعلیمات انبیاء سے اس کی آبیاری کی جائے۔ محض ایمان باللہ سے یوگ پیدا ہو سکتا ہے، تصوف پیدا ہو سکتا ہے، رہبانیت پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن کوئی نظام زندگی کوئی تہذیب، کوئی معاشرہ، کوئی تمدن، کوئی نظام اقتصادیات و سیاسیات اور کوئی نظام معیشت پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایمان باللہ سے نظام زندگی اس صورت میں رونما ہوتا ہے جبکہ ایمان بالرسالت ساتھ ساتھ موجود ہو۔

یہ روحانی اطباء جن کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں "نبی" یا "رسول" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ الہام ربانی سے فیض پا کر روحانیت کے لئے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دنیا والوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کے مقدس ہاتھ اور ان کی مبارک کوششیں ہمارے لئے غلہ پیدا کرنے بڑی بڑی ملیں بنانے، انجینیرنگ کے اصول سکھانے، زراعت، صنعت و حرفت کے فنون سے آشنا کرنے نہیں آتے بلکہ وہ ان سے بدرجہا بلند اور اعلیٰ کام کے لئے آتے ہیں۔ ان کی مبارک انگلیاں اعمال و افعال اور حرکات و سکنات پر نہیں پڑتی بلکہ ان کی انگلیاں انسانیت کے قلب کے تاروں پر پڑتی ہیں جن سے یہ افعال و اعمال کے حسین نغمے پھوٹتے ہیں۔ ان کی توجہ کا مرکز اعمال نہیں بلکہ قلوب ہوتے ہیں جن کو وہ سارے اعمال کا منبع اور اس عالم وجود کا بادشاہ سمجھتے ہیں۔ وہ چونکہ مصلح بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی حکیمانہ نظریں اصلاح معاشرہ سے قبل افراد کے قلوب کی اصلاح پر پڑتی ہیں جن سے معاشرہ کی تربیت ہوتی ہے۔ وہ پہلے انفرادی اصلاح کی جدوجہد کرتے ہیں اور پھر ان باصفا قلوب پر مشتمل افراد سے جو معاشرہ ترتیب پاتا ہے۔ وہ دیکھنے میں تو انسانی معاشرہ ہوتا ہے لیکن اپنی معنویت کے لحاظ سے ملائکہ سے بڑھ کر ہوتا ہے حتیٰ کہ فرشتے بھی